14

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر مومن اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ ہر کام کا آغاز اور انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے

(فرمودہ یکم مئی 1953ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''رات کو گرمی کی وجہ سے میں اندر سو نہیں سکا اور باہر تیز ہوا تھی اس لیے بائیں لات کے گھٹنے میں درد شروع ہو گئی اور چلنا مشکل ہو گیا۔ مگر چونکہ میں سوٹیوں اور کرَچ[1] (CRUTCH) کے سہارے چل سکتا ہوں۔ اس لیے مسجد میں آ گیا ہوں۔ خطبہ میں بیٹھ کر پڑھوں گا۔

پچھلے دو جمعوں میں مَیں نے بِسۡمِ اللّٰہِ کے متعلق بعض باتیں کہی تھیں۔ آج میں مختصراً اس آیت کے اگلے حصہ کے متعلق بعض باتیں بیان کرتا ہوں۔

قرآن کریم کی یہ خوبی ہے کہ اس کی آیات کی ترتیب اس قسم کی ہے کہ وہ اپنی ذات میں ہی راہنمائی کرنے والی ہے۔ اس لیے اس کی طرف خاص طور پر اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک جگہ پر ایک باپ کھڑا ہو اور اُس سے نیچے ساتھ ہی اُس کا بیٹا کھڑا ہو۔ اور کوئی کہے کہ یہ والد ہے اور یہ بیٹا ہے۔ تو اُسے اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ باپ اونچی جگہ کھڑا ہے اور بیٹا نیچی جگہ کھڑا ہے۔ کیونکہ الفاظ اپنی ذات میں اُن کے مدارج پر دلالت کر رہے ہیں۔ قرآن کریم بھی بات کو

ایسی ترتیب سے بیان کرتا ہے کہ وہ ترتیب اپنے مطلب پر دلالت کر دیتی ہے اور اسے بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر ہم کوئی بات بیان کرتے ہیں تو ہمیں یہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ ہم نے اس بات پر زور کیوں دیا یا زور دیا ہے تو اس کے فلاں حصہ کو پہلے کیوں بیان کیا ہے اور فلاں حصہ کو بعد میں کیوں بیان کیا ہے۔ چونکہ ہمارے خیالات محدود ہوتے ہیں اور ہمیں مخاطب کے خیالات کا پتا نہیں لگ سکتا اس لیے کئی دفعہ ہم اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مخاطب ہماری بات سے کیا نتیجہ اخذ کرے گا۔ لیکن قرآن کریم اُس خدا کا کلام ہے جو اپنی بات کو بہتر رنگ میں پیش کر سکتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ سننے والا یا مخاطب اس سے کیا مطلب اخذ کرے گا، اُس کے ذہن پر کیا اثر ہوگا۔ اس لیے وہ اپنی بات میں ان خیالات کو بھی مدنظر رکھ لیتا ہے۔

اب دیکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں رحمانیت اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو بغیر کسی عمل کے دیتی ہے اور بغیر کسی استحقاق کے دیتی ہے۔ اور یہ لفظ یہاں "اللّٰہ" کی صفت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اور "اللّٰہ" نام عربی زبان میں اُس ہستی کا ہے جو تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہو اور تمام عیوب سے پاک ہو۔ اور جب دنیا میں کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو سب صفاتِ حسنہ سے متصف ہے اور سارے عیوب سے پاک ہے تو لازماً یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ہستی خالق بھی ہے اور مالک بھی ہے۔ خلق خود ایک صفتِ حسنہ ہے۔ اگر یہ صفتِ حسنہ اُس ہستی میں نہیں پائی جاتی جس کے لیے عربوں نے "اللّٰہ" کا نام مقرر کیا ہے۔ تو اس لفظ کا استعمال درست نہیں ہوگا۔ پس "اللّٰہ" ہے تو ایک ہستی کا نام، لیکن وہ مقرر کیا گیا ہے ایک ایسی ہستی کے لیے جو خاص صفات رکھنے والی ہے۔ یہ لفظ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس ہستی کے لیے یہ لفظ تجویز کیا گیا ہے۔ اس میں سب صفاتِ حسنہ جمع ہوں اور وہ سب عیوب سے پاک ہو۔ پس "اللّٰہ" اسمِ ذات ہے جو صرف ایک وجود کے لیے ہی وضع نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایک بامعنی وجود کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ جیسے کسی کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو۔ بچہ کی پیدائش سے پہلے اُسے خواب آ جائے کہ وہ بڑا نیک ہوگا اور اِس خواب کی بناء پر اُس بچہ کا نام وہ طاہر یا اطہر رکھ دے تو طاہر یا اطہر اسمِ ذات اور علم بھی ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی یہ نام بچہ کی کسی خاص صفت کو مدنظر رکھ کر رکھا گیا ہوگا۔ پس ایک لحاظ سے وہ اسمِ ذات اور علم ہوگا اور ایک لحاظ سے وہ کسی خاص صفت کو ظاہر کرنے والا ہوگا۔

رسول کریم ﷺ کے نام کو لے لو۔ آپ کا نام "محمدؐ" تھا۔ "محمدؐ" اسمِ ذات ہے۔ لیکن الٰہی تصرف کے ماتحت یہ اسمِ صفت بھی ہے۔ اب اگر ہم لفظ "محمدؐ" بولتے ہیں تو اس سے اسمِ ذات اور اسمِ صفت دونوں مراد ہوتے ہیں۔ جب اسے بطور اسمِ ذات لیا جاتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ بچہ کی پہچان کے لیے اس کا نام والدین نے "محمدؐ" رکھا ہے۔ اور جب اسمِ صفت مراد لیا جاتا ہے تو اسکے معنے یہ ہوتے ہیں کہ بچے کا نام الٰہی تصرف کے ماتحت "محمدؐ" رکھا گیا ہے تا یہ اس کے خاص قسم کے اخلاق اور صفات پر دلالت کرے۔ پس بعض نام ذاتی بھی ہوتے ہیں اور صفاتی بھی ہوتے ہیں۔ "محمدؐ" ذاتی نام بھی تھا اور صفاتی بھی۔ اس لیے جب مشرکینِ مکہ نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں تو صحابہؓ نے چڑ کر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! یہ لوگ آپ کو گالیاں دیتے ہیں۔ عرب لوگ زبان دان تھے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر وہ "محمدؐ" نام لے کر گالیاں دیں گے تو اس کے کوئی معنے نہیں ہوں گے۔

محمدؐ کے معنے ہیں "تعریف کیا گیا"۔ اب جس شخص کی تعریف کی جائے اُسے گالیاں کس طرح دی جاسکتی ہیں۔ اگر "محمدؐ" نام لے کر گالیاں دی جائیں گی تو سننے والا کہے گا کہ ایک اچھی صفت رکھنے والا بُرا کیسے ہوگیا۔ اس لیے جب وہ گالیاں دیتے تھے تو "محمدؐ" نہیں کہتے تھے۔ مُذَمَّم کہا کرتے تھے اور مُذَمَّم کے معنے ہیں جس کی مذمت کی گئی ہو۔ جیسے ہمیں مرزائی کہہ کر لوگ گالیاں دیتے ہیں احمدی کہہ کر گالیاں نہیں دیتے۔ کیونکہ لفظ "احمدی" کے معنے ہیں احمد ﷺ سے تعلق رکھنے والا۔ اب اگر کوئی کہے کہ احمد سے تعلق رکھنے والے بُرے ہوتے ہیں تو اِس کا مطلب کیا ہوگا؟ سننے والا کہے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والا بُرا کیسے ہوگیا۔ اس لیے یہ لوگ ہمیں احمدی نہیں کہتے مرزائی کہتے ہیں۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو مُذَمَّم کہا کرتے تھے۔ اور مُذَمَّم کے معنی ہیں وہ شخص جس کی مذمت کی گئی ہو۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم ﷺ کے پاس عرض کیا کہ مشرکینِ مکہ آپ کو گالیاں دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا آخر وہ کیا کہتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ وہ آپ کو مُذَمَّم کہتے ہیں آپ نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے مجھے تو کوئی گالی نہیں دے سکتا[2]۔

جیسے ہمیں کوئی احمدی کہہ کر گالی نہیں دے سکتا۔ جب بھی کوئی شخص ہمیں گالیاں دے گا وہ قادیانی یا مرزائی کہے گا۔ ہم نہ قادیانی ہیں اور نہ مرزائی۔ اگر وہ ہمیں قادیانی کہتے ہیں تو قادیان میں ہندو اور سکھ بھی آباد تھے۔ اور اگر مرزائی کہتے ہیں تو اِدھر تو ایک مرزا ہے اور اُدھر دس لاکھ مرزا ہیں۔ جب

وہ ہمیں مرزائی کہہ کر گالیاں دیتے ہیں تو اس سے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مراد نہیں ہوتے بلکہ اِس میں سارے مغل آجاتے ہیں۔ چاہے وہ پاکستان کے ہوں، ہندوستان کے ہوں یا سمرقند بُخارا کے ہوں۔ اور اگر وہ ہمیں قادیانی کہتے ہیں تو قادیانی کے لفظ میں وہ سب مسلمان، ہندو اور سکھ بھی آجاتے ہیں جو قادیان میں رہتے ہیں یا رہتے تھے۔ وہ بھی گالیاں دینے والوں سے لڑیں گے۔

غرض مشرکینِ مکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتے وقت محمد ﷺ کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ مُذَمَّمْ کہا کرتے تھے اس لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرا نام تو محمد ہے۔ مُذَمَّمْ نہیں۔ اس لیے یہ لوگ مجھے گالیاں نہیں دے رہے۔ "اللہ" کا لفظ بھی اِسی رنگ کا ہے۔ لفظِ اللہ کے کوئی معنی نہیں۔ یہ لفظ محض علم ہے ایک ہستی کے لیے۔ لیکن علمیت کے اعتبار سے یہ لفظ صرف ایک وجود پر دلالت نہیں کرتا بلکہ یہ ایک ایسی ذات کے لیے تجویز کیا گیا ہے جس میں کوئی عیب نہیں اور وہ تمام صفاتِ حسنہ سے متصف ہے۔ اور جب اُس ذات کو تمام صفاتِ حسنہ سے متصف تسلیم کیا گیا ہے تو وہ خالق بھی ہوگی۔ اور جب خالق ہوگی تو اِس کے معنی ہیں کہ جو چیز بھی چلے گی اُس کے بعد چلے گی۔ پس "اللہ" کا لفظ دلالت کرتا ہے ایسی ہستی پر جو تمام صفاتِ حسنہ سے متصف اور تمام عیوب سے پاک ہے۔ اب اگر خلق صفتِ حسنہ ہے تو وہ بھی اللہ میں پائی جائے گی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ روح و مادہ کا پیدا کرنے والا نہیں۔ اگر وہ روح اور مادہ کو پیدا کرنے والا نہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ روح و مادہ پیدا کرنا اچھی بات نہیں۔ حالانکہ خلق صفاتِ حسنہ میں شامل ہے نقص پر دلالت نہیں کرتی۔ پس روح و مادہ کو پیدا نہ کرسکنا ایک نقص ہے جو الوہیت کے منافی ہے۔ پس اگر اللہ ہے تو لازماً دنیا کی ساری چیزیں اُسی نے پیدا کی ہیں اور جب ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہیں تو وہ اللہ کے بغیر کام کیا کرسکتی ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے تو وہ کچھ دے گا تو وہ کام کریں گی۔ مثلاً اگر میں کوئی مکان بناتا ہوں تو میں اُس میں دروازہ بناؤں گا تو بنے گا۔ میرے بنائے بغیر دروازہ نہیں بن سکتا۔ میں کھڑکی بناؤں گا تو بنے گی۔ میرے بنائے بغیر کھڑکی نہیں بن سکتی۔ میں اُس میں طاقچہ رکھوں گا تو طاقچہ رکھا جائے گا۔ آپ ہی آپ طاقچہ نہیں رکھا جاسکتا۔ میں روشندان بناؤں گا تو روشندان بنیں گے۔ میرے بنائے بغیر روشندان نہیں بن سکتے۔ پس جب "اللہ" کے لفظ کے نیچے خلق کی صفت آگئی تو لازماً اِس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر کوئی کام کرنا ہے تو اُسی نے کرنا ہے۔

پس بِسۡمِ اللّٰہ کے آگے پہلا قدم رحمانیت کا آئے گا اور دوسرا قدم رحیمیت کا یعنی جو چیزیں خدا تعالیٰ انسان کو دے گا وہی وہ استعمال کرے گا۔ اور جب وہ استعمال کرے گا تو کوئی نہ کوئی نتیجہ بھی اُس کا نکلے گا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کو ایسی چیز دے جو اُس کے کام میں آنے والی نہ ہو۔ مثلاً ایک جولاہا ہے اُسے اگر میں دس من لوہا دے دوں تو اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ایک لوہار کو ایک تانی دے دوں تو اس سے کیا نتیجہ نکلے گا۔ لوہار کپڑا بننے کا کام تو جانتا نہیں وہ تانی سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ یا ایک ڈاکٹر کو اَدویہ کی بجائے تانت 3 اور بانس دے دوں تو وہ خالی بیٹھا رہے گا۔ پس وہی ہستی بے عیب سمجھی جائے گی جو ایسی چیزیں دے جو دوسرے کی طاقتوں کے مطابق استعمال ہوسکتی ہوں۔

دوسرے کمال کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو چیزیں وہ دے وہ استعمال کے بعد اس کے لئے مفید بھی ہوں۔ فرض کرو ایک آدمی کام تو کرسکتا ہے اور وہی چیزیں اُسے دی گئی ہیں جن کو وہ استعمال میں لاسکتا ہے۔ مثلاً ایک جولاہا ہے کو ہم ایک تانی دے دیں۔ اب وہ تانی کو استعمال میں تو لاسکتا ہے لیکن اگر وہ کپڑا بنائے اور وہ کسی کام نہ آتا ہو تو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ پس پہلا سوال یہ ہے کہ کیا جس شخص کو کوئی چیز دی گئی ہے وہ اُسے استعمال میں لاسکتا ہے؟۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ اسے استعمال کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟۔ مثلاً ایک لوہار لوہا استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن اگر اُس کے کام سے کوئی نتیجہ نہ نکل سکے تو اُسے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ایک ڈاکٹر کو اَدویہ دے دو۔ وہ اَدویہ کو استعمال میں لاسکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بیمار ہی نہ ہو تو کسی ڈاکٹر کی عقل ماری ہے کہ وہ ادویہ اٹھائے پھرے۔ یا مثلاً یہ ہو کہ ایک طرف ڈاکٹر اَدویہ اٹھائے پھرے اور دوسری طرف ملّاں "چُھو" کرے اور بیمار تندرست ہوجائے۔ تو لوگوں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اَدویہ کی قیمت ادا کرتے پھریں۔ وہ ملّاں کے پاس جائیں گے اور وہ چُھو کردے گا اور مریض تندرست ہوجائے گا۔ انہیں کوئی رقم خرچ نہیں کرنی پڑے گی مفت میں کام ہوجائے گا۔ پس یہ ساری چیزیں موجود ہونی چاہئیں۔ سامان بھی موجود ہو۔ پھر انسان اسے استعمال میں بھی لاسکتا ہو اور استعمال میں لانے سے کوئی نتیجہ بھی مرتب ہوتا ہو اور اِسی پر لفظ رَحِیۡم دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے انتہا طاقتیں انسان کو دی ہیں اور یہ سب کچھ اس کی صفتِ رحمانیت کے تحت ہوا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ رحیم بھی ہے۔ وہ کام کا اعلیٰ درجہ کا بدلہ دیتا ہے۔ اور "بدلہ دیتا ہے" کے یہ معنے ہیں کہ اُس نے یہ سامان بھی کیا ہے کہ کام کے نتیجہ میں انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اِسی آیت کے مفہوم سے

مومن یہ فائدہ اٹھاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعماء سے کام لیتا ہے۔فرض کرو ایک دولتمند جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے دولت ملی ہے وہ اُسے تعیّش میں لگا دیتا ہے تو وہ دولت سے صحیح کام نہیں لیتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت بتاتی ہے کہ جو چیزیں خدا تعالیٰ سے ملی ہیں انہیں صحیح طور پر تصرّف اور استعمال میں لانا ضروری ہے۔

پس جب کوئی مومن بِسْمِ اللّٰہ پڑھے تو وہ دیکھے کہ کیا وہ ایسا کام کر رہا ہے جس کا تقاضا خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کرتی ہے۔مثلاً ایک شخص کی سوڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔وہ بازار جاتا ہے اور پانچ سو روپیہ کی اطلس 4 خرید لاتا ہے۔اب اگر وہ اطلس خریدتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے گا تو اُس کا نفس اُسے ملامت کرے گا کہ تُو نے کیا کِیا ہے؟ کیا تُو نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اسی طرح استعمال کیا ہے کہ اس کا مفید نتیجہ نکلے جس کا رحیمیت تقاضا کرتی ہے۔پس جو چیز تمہیں خدا تعالیٰ نے دی ہے تم اُسے صحیح طور پر استعمال کرو۔خدا تعالیٰ کہتا ہے صحیح کام وہ ہے جس کا میں کوئی بدلہ دوں۔اب تم اپنی آمد سے زیادہ رقم خرچ کر کے اطلس خرید لو اور زینت کے سامان جمع کر لو تو خدا تعالیٰ تمہیں کیا بدلہ دے گا۔خدا تعالیٰ نے یہ ضرور کہا ہے کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا 5 کھاؤ اور پیو۔لیکن ساتھ ہی کہا لَا تُسْرِفُوْا 6 تم اسراف نہ کرو۔ وہ فرماتا ہے کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا 7 ۔ اگر تم رزقِ طیب استعمال کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہارے کام نیک بنا دے گا۔پس خدا تعالیٰ کی صفت رحیمیت نے جس کا ذکر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں ہے بتا دیا کہ خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے تحت دی ہوئی اشیاء کو اس رنگ میں استعمال کرو کہ اس سے صفتِ رحیمیت ظاہر ہونے لگے۔ اس میں سارے نیک کام آ گئے۔ایک شخص کے پاس دانے ہیں۔وہ بِسْمِ اللّٰہ پڑھتا ہے، ہل چلاتا ہے، وقت پر دانہ ڈالتا ہے اور پانی دیتا ہے۔تو ہم کہیں گے اس شخص نے بِسْمِ اللّٰہ پڑھی اور اُس کا حق ادا کیا۔کیونکہ رحیم کے معنے یہ تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اشیاء کو صحیح طور پر استعمال کرے۔اور اُس نے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کو صحیح طور پر استعمال کیا۔اُس نے ہل چلایا، سہاگا پھیرا، پانی کا وقت آیا تو پانی دیا، بیج ڈالا اور صحیح وقت پر ڈالا۔اب اسے رحیمیت بہت سا غلہ دے گی۔لیکن ایک اَور شخص ہے وہ بِسْمِ اللّٰہ پڑھتا ہے لیکن ہل نہیں چلاتا یا اگر ہل چلاتا ہے تو اُسے اچھی طرح دباتا نہیں یونہی زمین کے اوپر ہل چلا دیتا ہے، یا سہاگا نہیں پھیرتا۔پھر پانی دیتا ہے تو وتّر نہیں رکھتا دانہ پہلے ڈال دیتا ہے۔

یا وتّر سوکھ جاتا ہے تو اس وقت بیج ڈالتا ہے۔ ایسا شخص اگر بِسْمِ اللّٰہ پڑھتا ہے تو اس کا کیا فائدہ۔ فرشتے اُس پر لعنت بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں تم نے تو رحیمیت کی ہتک کر دی۔ خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت تو کہتی تھی کہ تُو ہل چلائے، سہاگا پھیرے، پانی دے۔ وتّر آئے تو صحیح موسم میں بیج ڈالے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ تم میری دی ہوئی چیزوں کو اِس طرح استعمال کرو کہ تمہیں اُس کا بدلہ ملے لیکن تُو نے ایسا نہیں کیا۔ اگر تم اس طرح پر بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھو تو تمہاری زندگی کے سارے اعمال درست ہو جائیں۔ ہر کام جو تم کرتے ہو دیکھو کہ جس شکل میں تم اُسے کرنے لگے ہو۔ اُس کے نتیجہ کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے یا نہیں۔ اگر نتیجہ کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے تو اُن چیزوں کا استعمال جائز ہے۔ اِس میں صفتِ رحمانیت بھی آ گئی اور صفتِ رحیمیت بھی۔ اگر تم دوسرے کا مال چُرا کر استعمال کرتے ہو۔ تو صفتِ رحمانیت اُڑ گئی۔ اور اگر اُسے بے موقع استعمال کرتے ہو تو صفتِ رحیمیت اُڑ گئی۔ اِس قسم کی بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کا فائدہ کیا؟ پس جو بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر چوری کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے لوگ ہمیں پکڑ نہیں سکتے، بعض مالدار ہیں وہ دولت کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھتے ہیں۔ اب اس میں صفتِ رحمانیت تو ہے مگر صفتِ رحیمیت کہاں سے آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو شرط رکھی تھی وہ انہوں نے پوری نہیں کی۔ عیسائی لوگ لفظ رحیم پڑھتے ہیں رحمان نہیں پڑھتے۔ انہوں نے رحمانیت کو کسی اَور وجہ سے چھوڑا ہے اور یہ بات اُن کے عقائد کے مطابق ٹھہرتی ہے۔ لیکن ایک مسلمان کو حکم ہے کہ جو طاقت اُسے ملی ہے وہ اقرار کرے کہ وہ طاقت اُسے خدا تعالیٰ نے ہی دی ہے۔ اور وہ اُسے صحیح طور پر استعمال کرے تا اُسے اُس کا وہ بدلہ ملے جس کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ گویا ہر کام کا شروع اور آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔

رحمانیت کے اندر آغاز کو بیان کیا گیا ہے اور رحیمیت میں انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ پس بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر مومن اِس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کا آغاز بھی اور انجام بھی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اعمال خدا تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ 8 وہ ابتدا کرنے والا بھی ہے اور اِسی طرح انجام بھی اُسی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے گرد انسان چکر لگا رہا ہے۔ جیسے حج کے ایام میں حاجی حجرِ اسود کے گرد طواف کرتے ہیں۔ جہاں سے وہ چلتے ہیں وہیں

آ کر اپنا چکر ختم کرتے ہیں۔ اِسی طرح بِسْمِ اللّٰہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ وہیں سے یہ ابتدا کرتا ہے اور وہیں جا پڑتا ہے کہ جیسے بعض نہریں دریا سے نکلتی ہیں اور دریا میں ہی جا پڑتی ہیں۔ پانی کو دیکھو خدا تعالیٰ اُسے زمین سے نکالتا ہے پھر بادل کی صورت میں اُسے اوپر اٹھاتا ہے اور پھر بارش کی صورت میں نیچے گراتا ہے اور وہی پانی دوبارہ زمین میں چلا جاتا ہے۔ پھر دوبارہ خدا تعالیٰ اُسے زمین سے نکالتا ہے۔ اِسی طرح یہ پانی چکر کھاتا رہتا ہے۔ رہٹ[9] کو دیکھ لو۔ ایک طرف سے کنویں سے پانی نکالتا جاتا ہے اور دوسری طرف پھر کنویں میں ڈوبنا شروع ہوتا ہے۔ یہی بِسْمِ اللّٰہ کا حال ہے۔ حقیقی مومن وہی ہے جو خدا تعالیٰ سے نکلتا ہے اور خدا تعالیٰ میں واپس چلا جاتا ہے۔ اُس کا آنا جانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جیسے رہٹ چل رہا ہوتا ہے ویسا ہی مومنانہ زندگی ہوتی ہے۔"

(الفضل 13 مئی 1953ء)

1: کرچ: (CRUTCH) (Concise Oxford Dictionary)

2: بخاری کتاب المناقب۔ باب مَاجاءَ فِی اَسْمَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ

3: تانت: تار، دھاگا (فیروز اللغات اُردو جامع مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

4: اَطلس: ایک قسم کا ریشمی کپڑا (فیروز اللغات اُردو جامع مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

5: الاعراف:32

6: الاعراف:32

7: المومنون:52

8: الحدید: 4

9: رہٹ۔ وہ چرخ جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔ (فیروز اللغات اُردو جامع مطبوعہ فیروز سنز لاہور)